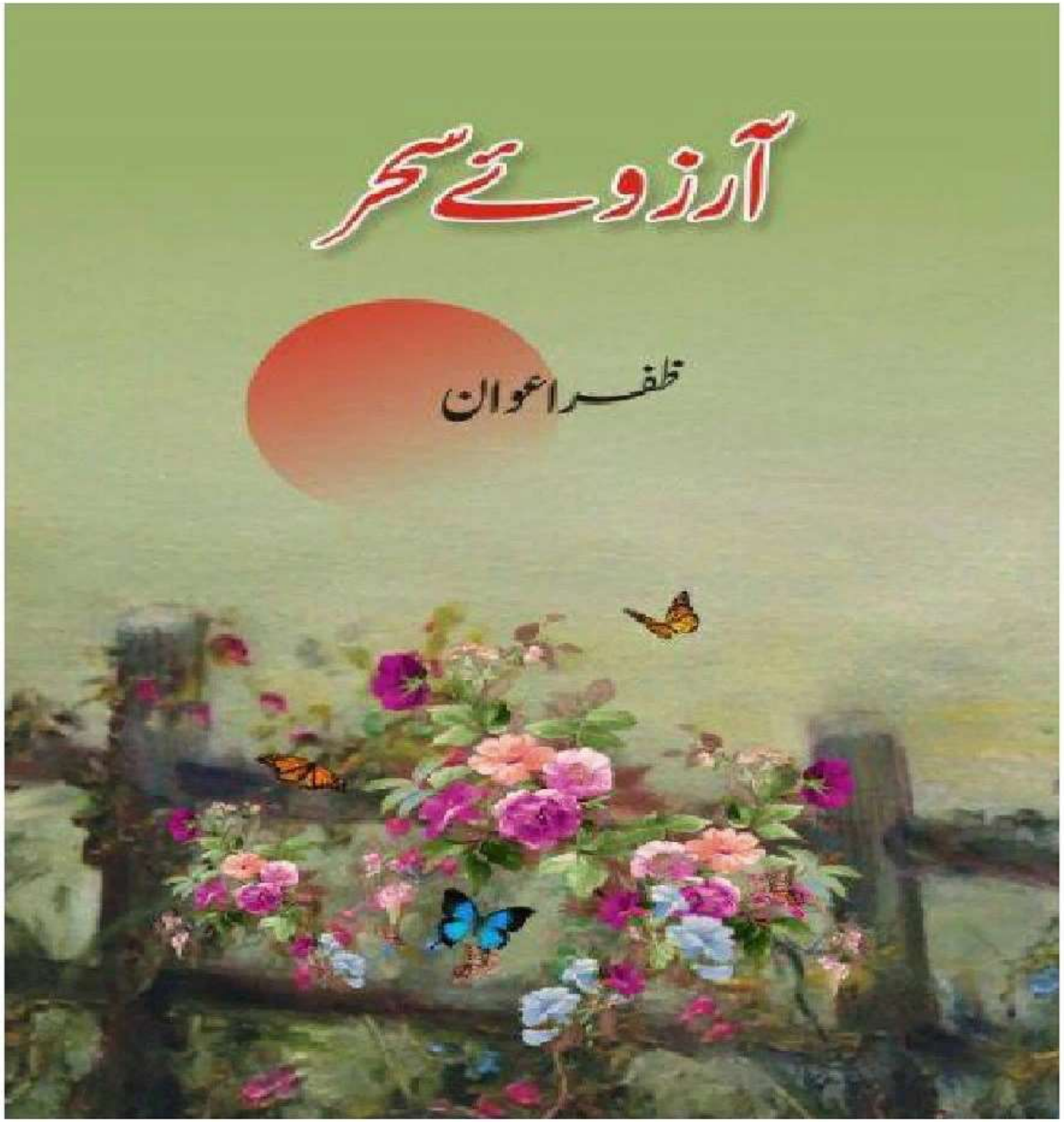
بسم اللہ الرحمن الرحیم



آرزوئے سحر

ظفر اعوان

نستعلیق مطبوعات

فیروز سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

nastalique786@gmail.com

0300-4489310 / 0331-4489310

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○

القرآن

نام کتاب	آرزوئے سحر
شاعر	ظفر اعوان
سرورق	احسن آرٹ
باراوّل	2004ء
باردوم	فروری 2018ء
کمپوزنگ	زریفت کمپوزنگ سنٹر، لاہور
تزئین واہتمام	حسن محمود
مطبع	حاجی حنیف پرنٹرز لاہور
قیمت	400 روپے
بیرون ملک	15 امریکی ڈالر
زیراہتمام	بیلی۔لٹریری اینڈ کلچرل سوسائٹی ڈنمارک۔ٹی وی لنک ڈنمارک

نستعلیق مطبوعات

فیروز سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

nastalique786@gmail.com

0300-4489310 / 0331-4489310

انتساب

بڑے بھائی

اظہر حسین اعوان

کے نام

جن کی شفقت اور محبت میری زندگی کا حاصل ہے

فہرست

ظفر اعوان کی ''آرزوئے سحر''

''آرزوئے سحر'' ظفر اعوان کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس کا اب دوسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں اس طرح کی شاعری ہے جیسا کہ عموماً ایک اچھے اور نئے شاعر کے پہلے شعری مجموعہ میں ہوا کرتی ہے۔ خوبصورت اور معصوم جذبوں کی ترجمان، سادہ اور شگفتہ اظہار سے لبریز۔ اس میں اکثر جگہوں پر ایسے اشعار ملتے ہیں جو کہ ظفر اعوان کے مستقبل قریب میں ایک منفرد اور نمائندہ شاعر بننے کی نوید سناتے ہیں۔ پہلا شعری مجموعہ ادبی دنیا میں بطور شاعر آپ کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ جینوئن اور اچھے شاعر محنت و ریاضت کی بدولت اپنے کلام میں بہتری لانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ اردو میں مجھے ظفر اعوان کے دوسرے شعری مجموعے کا انتظار ہے۔ امید ہے وہ شعری مجموعہ ''آرزوئے سحر'' سے مزید بہتر اور اس کی پنجابی شاعری کی طرح بھرپور ہوگا۔ میری دعائیں اس نوجوان کے ساتھ ہیں۔ اللہ کرے یہ آسمانِ ادب کا درخشندہ ستارہ بنے۔ آمین

عطاء الحق قاسمی

ظفر اعوان بحیثیت شاعر

ظفر اعوان ایک ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر ہیں۔ میں ان کی جستجو اور لگن دیکھ کر حیران ہوا ہوں کہ نوجوانی میں ہی وہ ادب کے میدان میں وارد ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ وہ اپنی پڑھائی بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ان کی شاعری تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر زبان زدِ عام ہو۔

پر کے بدلے پاؤں باندھا بلبلِ ناشاد کا
کھیل کے دن ہیں لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

کے مصداق وہ اس میدان میں نوارد ہیں، بقول احسان دانش

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس ہم نوگرفتاروں میں ہیں

تو ظفر اقبال اعوان شاعری کے نئے نئے اسیر ہیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ زندان کھلے گا اور وہ ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ اپنے آپ کو منوا لیں گے۔ کیونکہ وہ دل

میں اترنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے فنونِ لطیفہ کا انتہائی اہم شعبہ یعنی شاعری پسند کیا ہے، میں ان کی ترقی وکمال کے لیے خلوص دل سے دعا گو ہوں اور رہوں گا۔

اقبال راہیؔ
۳۰/جولائی ۲۰۰۴ء

''آرزوئے سحر'' پر ایک نظر

''آرزوئے سحر'' ظفر اعوان کا اوّلین شعری مجموعہ ہے جو شعری حوالے سے ان کے روشن مستقبل کا مظہر ہے۔ سادگی، سلاست اور شدتِ احساس ظفر کی شاعری کے نمایاں اوصاف ہیں اور کسی بھی شعری مجموعے کی مقبولیت کے لیے یہ اوصاف ضروری ہیں۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تیرا غم جہاں نہ ہوا کرے
وہاں کہکشاں نہ ہوا کرے
مجھے دے دعا مرے عشق میں
ہے جو امتحاں نہ ہوا کرے
اسے جا کے کہہ دے تو اے صبا
کہ وہ بدگماں نہ ہوا کرے

ظفر اعوانؔ نے شعری روایت کو خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ تاہم کہیں کہیں جدت کے پھول بھی اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح محنت و ریاضت اور لگن

سے محوِ سخن رہے تو بہت جلد تو جوان شعراء کی صف میں نمایاں مقام حاصل کرلیں گے۔ میں ان کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اہلِ نظران کی اس اولین کاوش کو استحسان کی نظر سے دیکھیں گے۔

اسلم کولسری

۱۲/اگست ۲۰۰۴ء

''آرزوئے سحر''

ظفر اعوان سے میرا تعارف پیرس میں مقیم عزیز دوست اور خوب صورت شاعر ایاز محمود ایاز کی وساطت سے ہوا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''آرزوئے سحر'' کے نام سے شائع ہو چکا تھا جس کا دوسرا ایڈیشن اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کے پنجابی شعری مجموعے ''زیویں سدھراں دی'' کی اشاعت کے دوران رابطہ رہا اور رفتہ رفتہ یہ رابطہ گہری دوستی میں بدل گیا اور اب تو در حقیقت مجھے ظفر اعوان کی بجائے ظفر بھائی کہنا اور لکھنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ میں نے گزشتہ برس کوپن ہیگن میں ان کے شعری مجموعے ''زیویں سدھراں دی'' کی تقریب رونمائی میں شرکت کی تھی۔ میں یورپ کے مشاعروں اور تقاریب میں اکثر شریک ہوتا رہتا ہوں لیکن یہ تقریب اپنی نوعیت کی منفرد اور یادگار تقریب تھی جس کی یادیں ابھی بھی دل و دماغ میں تازہ ہیں۔ ظفر اعوان کی سحر انگیز شخصیت اور شاعری کے باعث اس سے محبت کرنے والے بہت ہیں یہ تقریب بھی ہر حوالے سے اسی کے نام منسوب رہی۔ مشاعرہ بھی ظفر نے لوٹا۔ ظفر کی پنجابی شاعری کو بہت سراہا گیا۔ ظفر کی اردو شاعری ہو یا پنجابی شاعری، وہ

امکانات سے بہت بھرپور ہے۔ وہ ہر وقت ایک شاعرانہ فضا میں رہتا ہے۔ یہ شاعرانہ فضا کسی بھی شاعر کو اچھی شاعری کی سمت لاتی ہے۔ ظفر کی شاعری اس کی شخصیت کے ساتھ مل کر مکمل ہوتی ہے۔

''آرزوئے سحر'' میں شامل غزلیات، نظمیں اور نثری نظمیں انتہائی سادہ انداز میں لکھی گئی ہیں۔ یہ سادگی دلکش بھی ہے اور دلپذیر بھی۔ ان کے باطن کے اندر مستقبل کا خوبصورت اور اہم شاعر واضح دیکھا جا سکتا ہے۔ ظفر کے اندر ادبی حوالے سے بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں اور ان کو بروئے کار لا کر وہ بہت آگے جا سکتا ہے۔ امید ہے نقش اوّل سے نقشِ ثانی بہت بہتر ہوگا۔ میری دعائیں اُس کے ساتھ ہیں۔

حسن عباسی

لاہور

محبتیں بانٹنے والا سادہ لوح شاعر

یہ ظفر اعوان کی پہلی کتاب ''آرزوئے سحر'' کا دوسرا ایڈیشن ہے، کتابوں کے باہر اپنے دوستوں کے نام لکھے دیکھنا میری زندگی کی خواہش میں ایک بڑی خواہش ہے اور اس خواہش کی تکمیل ایسی خوشی سے ہمکنار کرتی ہے جو میرے بیان سے باہر ہے۔ ظفر اعوان کی پنجابی شاعری کی کتاب ''زیویں سدھراں دی'' کوپن ہیگن کے ادبی افق پر ابھی جگمگا رہی ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے بہت سے دور سے دیکھنے والے ظفر اعوان کو بس ایک روایتی شاعر سمجھنا شروع کر دیں، جو شعر کے بعد نظم اور دیوان کے بعد دیوان لیے سامعین کی تلاش میں ہوتا ہے۔ پچھلے تین سال جو ظفر اعوان کی معیت میں بسر ہوئے وہ گواہ ہیں کہ ظفر اعوان کی شاعرانہ زندگی سے کوسوں دور ہے، وہ تو کوپن ہیگن کے ابتدائی مشکل سالوں میں مسکراہٹوں سے غم ٹالنے والا، دوستوں کے کاندھوں سے کندھا ملا کر چلنے والا، نچلے سروں میں زندگی گزارتا ہوا ایک پر خلوص انسان ہے۔ پہلے دو سالوں میں تو ہمیں پتہ بھی نہ چلا کہ ظفر اعوان شعر کہتے ہیں، کوئی ایک سال پہلے محترم عدیل طاہر صاحب کے گھر ایک نجی محفل

میں ان کو سننے کا موقع ملا۔ تب پتہ چلا کہ ظفر اعوان شاعر بھی ہیں، پھر کسی اور محفل میں پتہ چلا کہ ان کی شاعری کا مجموعہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ ان کی پنجابی شاعری کی کتاب کی تقریب رونمائی کی تیاریاں چل رہی تھیں تو پتہ چلا کہ بہت سال پہلے ''آرزوئے سحر'' کے نام سے ایک اردو مجموعہ کلام وہ شائع کر چکے ہیں۔

ان سب باتوں سے آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں اس نوخیز آشنائی میں انہوں ں ے ہم پر کھلنا مناسب نہ سمجھا ہو، لیکن اب جب اس کی شخصیت ہمارے سامنے کھلی پڑی ہے تو ہم لحہ لحہ ان کی خوشبو سے معطر ہوتے رہتے ہیں۔

''آرزوئے سحر'' سے ان کے چند اشعار آپ کی نذر:

آج وہ نظریں بول پڑی ہیں
لے آ تو بارات رے ساجن

....

ستارے توڑ لاتا میں
محبت تم اگر کرتے

....

کوئی تو ہمارا بھی ہو سننے والا
سبھی کچھ بتانے کو جی چاہتا ہے

....

میرے آنگن میں تیری یاد اتری
تیری رعنائی میرے ساتھ ہے اب

....

گہری آنکھیں یاد آتی ہیں
تیری باتیں یاد آتی ہیں

....

کیسے دیں الزام ہم کسی کو
وفا میں خود کو بھی تولتے ہیں

اب جب سے ہم ظفر کی شاعری اور شخصیت کے کچھ رنگوں سے آشنا ہوئے تو ہمیں سمجھ آنے لگی کہ ظفر اپنی ہی شاعری کے خوبصورت مصرعے کی طرح گنگنایا جانے والا میٹھا شخص ہے، جو محبت کے بندھن سے بندھے دوستوں کو بچھڑنے سے پہلے منانے کا ہنر جانتا ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ اچھا شاعر پہلے اچھا انسان ہوا کرتا ہے۔ ظفر ایک خوبصورت اور اچھا انسان ہے، اس کی شاعری عام آدمی پر گزرنے والی خاص کیفیات کی ترجمان ہے۔ وہ محبت، دوستی کے راستے پر چلتا ہوا ایک شخص ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ ایسے ہی خوشبوؤں میں بسا رہے اور محبتیں بانٹتا رہے۔ دوستیاں نبھاتا رہے۔

رمضان رفیق
کوپن ہیگن ڈنمارک
۲۷ دسمبر ۲۰۱۷ء

اقبال اور فیض کا ظفر اعوانؔ

ظفر اعوان کا پہلا شعری مجموعہ ''آرزوئے سحر'' ماشاء اللہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ظفر اعوان کے ساتھ میرا بچپن سے ہی تعلق چلا آ رہا ہے۔ ہم سکول میں اکٹھے تھے پھر تقریباً اکٹھے ہی لاہور آ گئے۔ کچھ عرصہ مجھے ان کے روم میٹ کی حیثیت سے بھی رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

ظفر اعوانؔ کی طبیعت میں ایک عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور وہ ہے ''خاموشی''۔ اکثر میرا ظفر سے چھوٹا موٹا جھگڑا ہو جاتا تھا کہ تم اتنے خاموش کیوں رہتے ہو۔ لیکن وہ تھا کہ اپنی عادت (یہ جو وہ خود اُسے نام دیتا تھا) ترک کرنے کا قطعاً تیار نہ تھا۔ ''خاموشی'' نے اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ، سکون اور اطمینان سا پیدا کر دیا تھا۔ وہ کسی پر کوئی مصیبت دیکھتا تو عجب کرب سے گزرتا اور میں نے اسے راتوں کو کروٹیں بدلتے دیکھا ہے پھر یہ خاموشی ٹوٹی اور ظفر نے اپنے دل کی باتیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ بتاتا اور میں چپ چاپ سنتا رہتا۔ حیرانی ہوتی کہ یہ وہی شخص ہے جو دنیا کی نظموں میں چپ چاپ اور خاموش سا رہتا ہے۔ اسی

خاموشی نے ظفر اعوانؔ کے اندر کے شاعر کو پروان چڑھایا اور آج وہ اس مقام پہ ہے کہ بزرگ شعراء بھی اس کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ظفر اعوانؔ کا تعلق سیالکوٹ سے ہے اور اس شخص کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اقبال اور فیض کی مٹی ابھی تک زرخیز ہے اور اس مٹی سے ظفر اعوان جیسے خوبصورت پھول کھل رہے ہیں۔

امید ہے آپ کو بھی ظفر اعوانؔ کی پہلی کاوش بے حد پسند آئے گی اور دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں مزید لکھنے کی توفیق دے اور ان کی عزت میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین

کامران ملک

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

۱۳ راگست ۲۰۰۴ء

کچھ اپنی زباں سے

''قلم'' تین حرفوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا لفظ لیکن اپنے اندر سمندر کی بے پائیاں گہرائی اور وسعت سمیٹے ہوئے ہے۔ قلم اظہار خیال کا ایک موثر آلہ ہے جو باتیں ہم زبان سے کہہ نہیں پاتے یا پھر ایسا کرنا دشوار نظر آتا ہے تو پھر ہم قلم ہی کا سہارا لیتے ہیں اور پھر بڑی آسانی سے ہم اپنی منزل کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جہاں تک میری ذات کا سوال ہے میں تو خود سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ مبادا خود کو اپنی کہی بات ہی ناگوار گزرے۔ جب صورتِ حال ایسی ہو تو پھر دوسروں کے بارے میں لکھنے یا بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اندر کسی کونے کھدرے میں ایک نامعلوم ڈر ایک انجانا سا خوف چھپا بیٹھا ہے۔ عجیب غیر یقینی سی کیفیت ہے جیسے ایک ننھا سا بچہ کسی وجہ سے ہاں شاید کسی نامعلوم وجہ سے یوں محسوس کرنے لگے جیسے ابھی پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی یا پھر اچانک آسمان تاروں سمیت سر پر آن گرے گا۔

کبھی یوں لگتا ہے جیسے کچھ کھو سا گیا ہے شاید کوئی بے حد قیمتی چیز یا پھر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں کسی چیز کی تلاش میں ہوں اور سامنے آنے پر بھی اسے پہچان نہیں پاؤں گا۔ سورج کے غروب ہوتے ہی یہ احساس شدت اختیار کرنے لگتا ہے۔ اندھیروں سے خوف لگتا ہے جیسے یہ اندھیرا ایک بڑا اژدھا بن کر مجھے نگل جائے اور کبھی بھی اجالے کی کرن نمودار نہیں ہو پائے گی۔ لیکن پھر سوچتا ہوں ہر شے کی ایک ضد ہوتی ہے اور رات کی ضد ہے سحر لہٰذا اسے نمودار ہونا ہوگا اور آج بھی یہی آرزوئے سحر کیے بیٹھا ہوں جو سارے اندھیروں کو گم کر دے گی۔

ظفر اعوانؔ

۲ راگست ۲۰۰۴ء

ہم ان کی محفل میں جائیں گے یوں نظر کو اپنی جھکا جھکا کے
سلام ان کو کریں گے یارو یہ ہاتھ اپنے اٹھا اٹھا کے

ہو موتیوں کی کوئی بھی خلعت لباس ان کا ہے سب سے بڑھ کر
جو اپنے دامن کو یوں ہیں رکھتے گناہ سے بس بچا بچا کے

جو ان کی محفل میں جا رہے ہو تو کام میرا ضرور کرنا
کہ اپنے آنسو بہا تو دینا مری یہ حالت سنا سنا کے

بہت دنوں سے اداس ہے دل مجھے بلا لیں مدینے آقا
کہ ہو، نہ ایسا بہا دیں دریا ہم اپنے آنسو بہا بہا کے

دل شکستہ میں آرزو کے چراغ جل جل کے بجھ رہے ہیں
کہ مر ہی جائے گا اب تو اعوان قصۂ غم سنا سنا کے

یوں مسکرا کے جس گھڑی نگاہ میں بسا دیا
فقیر کو بھی اس نے بادشاہ پھر بنا دیا

تو ساتھ بیٹھ کر رقیب کے مجھے بھی ڈھونڈ لے
وصال کا عجب سا اس نے راستہ بتا دیا

کھلے کھلے سے پھول پھر تو چار سو عیاں ہوئے
رخِ نگار سے کبھی نقاب جو ہٹا دیا

اسے تجلیوں کی رت میں رحمتیں ملیں یہاں
کہ جس نے دل کو اپنے رب کی یاد سے سجا دیا

ہمارے اک جنون کی تو داد دے ذرا ہوا
چراغ خود جلا کے ہم نے خود اسے بجھا دیا

یوں نہیں ہے کہ روشنی کم تھی
جس جگہ میں تھا، چاندنی کم تھی

وہ ملا اور دیر بعد ملا
دکھ زیادہ تھا اور خوشی کم تھی

نام جس کا تھا زندگی یارو
در حقیقت ہمیں ملی کم تھی

اور کسی سے زیادہ کیا رکھتے
خود سے بھی اپنی دوستی کم تھی

تھا محبت کا ذکر ہر لب پر
اس کے بارے میں آگہی کم تھی

جتنی گزری تھی میرے دل پہ ظفر
کیفیت میں نے وہ لکھی کم تھی

کبھی خود سے خفا نہ ہونے دیا
میں نے اس کو جدا نہ ہونے دیا

یہ محبت کی قید تھی جس نے
زندگی بھر رہا نہ ہونے دیا

زیرِ بار اس قدر رکھا اس نے
عمر بھر بے وفا نہ ہونے دیا

کون تھا میرے اور خدا کے بیچ
جس نے یہ رابطہ نہ ہونے دیا

وہ بچھڑ کر بھی میرے ساتھ رہا
ہجر میں مبتلا نہ ہونے دیا

عام سا شخص تھا ظفر وہ تو
جس نے مجھ کو مرا نہ ہونے دیا

زیست کا اعتبار کیا کرتے
ہم کسی سے بھی پیار کیا کرتے

اس کی آنکھوں سے ہم نے پی ہی نہیں
اس قدر بھی خمار کیا کرتے

پیار سے ہم نے اس کو مار دیا
اور دشمن پہ وار کیا کرتے

کون سا ہم نے لوٹ آنا تھا
اپنا بھی انتظار کیا کرتے

وہ مکمل ہی مل گیا تھا جب
ہجر کو پھر شمار کیا کرتے

اس کو اوقات میں ظفر رکھا
اپنے سر پہ سوار کیا کرتے

گھر گئے جب دشمنوں کی سازشوں کے درمیاں
دشمنی بڑھتی گئی پھر دوستوں کے درمیاں

لوگ جھوٹی شہرتوں پر یونہی خوش ہوتے رہے
آئنے رکھے ہوئے تھے آئنوں کے درمیاں

وہ بھی اپنے عہد میں اک سانحہ جاری رہا
حادثے گم ہو گئے تھے سانحوں کے درمیاں

اس لیے ہم راستوں کی نذر ہو کر رہ گئے
منزلیں ملتی رہیں تھیں راستوں کے درمیاں

یاد آیا ہے تمہارا پردے میں ملنا مجھے
چاند کو دیکھا ہے جب بھی بادلوں کے درمیاں

چند غزلیں نامکمل اک محبت ناتمام
چند آنسو بھی پڑے ہیں کاغذوں کے درمیاں

کبھی تنہا سفر ہوتا نہیں ہے
سفر ہوتا ہے پر ہوتا نہیں ہے

خدا نے خوبیاں رکھی ہیں سب میں
کوئی بھی بے ہنر ہوتا نہیں ہے

ہمیشہ خود غرض ہوتا ہے انساں
کبھی کوئی شجر ہوتا نہیں ہے

بناتا ہوں بہت منصوبے لیکن
کوئی بھی کارگر ہوتا نہیں ہے

یہی سچ ہے اگر سچا ہو کوئی
کسی کا اس کو ڈر ہوتا نہیں ہے

ظفر اک دل میں رہنے والا بندہ
کبھی بھی دربدر ہوتا نہیں ہے

وصل کی رات مجھے اب تو سفر کرنا ہے
مجھ کو جانا ہے ابھی جا کے کہیں مرنا ہے

اس لیے پار سمندر کے میں آیا ہوا ہوں
زخمِ غربت ہے مرا جس کو مجھے بھرنا ہے

ایسے رستے ہیں مرے سامنے، دیکھے ہی نہیں
انہیں رستوں میں کہیں پیار کا بھی جھرنا ہے

جس کے ہاتھوں میں ہے تلوار فقط میرے لیے
اس کے قدموں میں کوئی پھول مجھے دھرنا ہے

کیسا انصاف ہے یہ کیسی عدالت ہے میاں
جرم اوروں کا ہے تاوان مجھے بھرنا ہے

زندگی دور وطن سے ہے غلامی کوئی
شور میں رہ کے ظفر آہٹوں سے ڈرنا ہے

حویلی یاد آتی ہے، دریچہ یاد آتا ہے
نئے گھر میں ابھی تک گھر پرانا یاد آتا ہے

مجھے گاؤں کی کوئی چیز بھی بھولی نہیں اب تک
پرندے، پیڑ، جھیلیں اور نلکا یاد آتا ہے

وہاں جتنے حوالے تھے، محبت کرنے والے تھے
وہ اتنے پیار سے لوگوں کا ملنا یاد آتا ہے

جسے سپنے دکھا کر میں وہاں پر چھوڑ آیا تھا
وہ آنکھیں یاد آتی ہیں، وہ چہرہ یاد آتا ہے

ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں جس کے پہلو میں ہر شام
وہ دریا یاد آتا ہے، کنارا یاد آتا ہے

بہت کچھ بھولتا جاتا ہوں لیکن وقت رخصت وہ
کسی کی آنکھ کا آنسو ہمیشہ یاد آتا ہے

جب اپنے آپ سے ملنے کو جی چاہے کسی دن تو
پھر اپنے گاؤں کا رستہ دوبارہ یاد آتا ہے

تہمتیں اپنے نام کرتا ہوں
بس یہی ایک کام کرتا ہوں

یہ محبت بہت ہی مشکل ہے
اب کوئی اور کام کرتا ہوں

دوست سر پر بٹھاتا ہوں اپنے
دشمنوں کو غلام کرتا ہوں

اس نے آنا کبھی نہیں ہوتا
پھر بھی میں اہتمام کرتا ہوں

کچھ پرندے اسے بتاتے ہیں
پیڑ سے لگ کے شام کرتا ہوں

عام کو خاص میں بناتا ہوں
خاص لوگوں کو عام کرتا ہوں

کرتا ہوں ذات کی نفی ہر پل
بات اپنی تمام کرتا ہوں

فاصلے ہیں منزلیں ہیں کارواں ہے زندگی
ایک پل رکتی نہیں ہر دم رواں ہے زندگی

ہے کہیں پر اس قدر سمٹی کہ دِکھتی ہی نہیں
اور کہیں پر دیکھیے تو بے کراں ہے زندگی

ہے کہیں تاریک گلیوں کی یہ صدیوں سے مکیں
اور کہیں پر کہکشاں در کہکشاں ہے زندگی

اک طرف ظلم وستم جاری ہیں اس کے دیر سے
اک طرف حد سے زیادہ مہرباں ہے زندگی

جس جگہ پر مفلسوں کی بستیاں آباد ہیں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں تجھ کو تو کہاں ہے زندگی

زندگی مجھ کو سمجھ آئی ہے اب تو اس طرح
آنسوؤں اور قہقہوں کی ترجماں ہے زندگی

سوچنا پڑتا ہے پاؤں رکھنے سے پہلے ظفرؔ
ہر قدم پر اک نیا ہی امتحاں ہے زندگی

کہانی اپنی میں کہہ رہا ہوں
کسی کی آنکھوں سے بہہ رہا ہوں

میں کوئی گھر ہوں کنارِ دریا
کٹاؤ اتنا ہے ڈھہہ رہا ہوں

وہ مجھ کو برداشت کر رہی ہے
میں اس کی باتوں کو سہہ رہا ہوں

تمہارا نشہ چڑھا ہوا ہے
نجانے کیا کیا میں کہہ رہا ہوں

یہاں کسی کو نہیں ملی ہے
جو اک اذیت میں سہہ رہا ہوں

کہ جیسے ٹوٹا ہو تارا کوئی
یوں آسمانوں سے ڈھہہ رہا ہوں

غریب کا میں ظفرؔ لہو ہوں
سو یونہی بیکار بہہ رہا ہوں

آج کل تو اس سے میرا رابطہ کوئی نہیں
یعنی زندہ رہنے کا اب سلسلہ کوئی نہیں

وہ نہیں تو مسئلے ہی مسئلے ہیں زیست میں
اس کے ہوتے زندگی میں مسئلہ کوئی نہیں

اک قدم بھی تنہا چلنا ہے بہت دشوار اب
حوصلہ درکار ہے پر حوصلہ کوئی نہیں

رونقِ بازار ہوتے تھے جو چہرے شہر میں
اک نظر بھی اب انہیں تو دیکھتا کوئی نہیں

ورنہ دنیا فتح کرنا کون سا مشکل تھا اب
ہم کو تیرے جیسا دنیا میں ملا کوئی نہیں

ویسے تو بزمِ سخن میں اک سے بڑھ کر ایک ہے
سچ کہوں تو شاعروں میں میرؔ سا کوئی نہیں

پہلے کچھ لوگوں کا سکّہ چلتا تھا یاں پر ظفرؔ
مارے مارے پھرتے ہیں اب پوچھتا کوئی نہیں

دیر تک اک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہے
اور اپنی آنکھوں سے باتیں بہت کرتے رہے

چائے کی خوشبو میں کیسی خوشبوئیں ملتی رہیں
جانے کیا کیا پھول اپنی سانسوں میں کھلتے رہے

دیکھنے والے اسے آنسو سمجھ کے چپ رہے
اور ہم اشکوں سے اپنے اک غزل لکھتے رہے

گولی چلنے کی صدا پر پھڑپھڑاہٹ سی ہوئی
پھر پرندے کچھ فضا میں دیر تک اڑتے رہے

ایک پگڈنڈی فلک کے پاس تک جاتی ہوئی
اور دونوں ہاتھ تھامے اس پہ ہم چلتے رہے

جو بچھڑنے والی شب تھی وہ بھی کتنی خوب تھی
دیر تک ہنستے رہے اور دیر تک روتے رہے

پاس تھے تو خواب ہم کو عمر بھر آیا نہ تھا
پھر بچھڑ کر عمر ساری خواب میں ملتے رہے

لوگ ہم دونوں کی باتیں کر رہے تھے کیا سے کیا
اور خاموشی سے بیٹھے ہم یونہی سنتے رہے

حال دل کا سنا دیا کرنا
شکوے سارے بتا دیا کرنا

بزم میں دیکھ پاؤں میں تم کو
صرف اتنی جگہ دیا کرنا

درمیاں اشک آئیں گے میرے
انگلیوں سے ہٹا دیا کرنا

دیکھنا میں پلٹ ہی آؤں گا
روز مجھ کو صدا دیا کرنا

مجھ کو حرفِ غلط اگر سمجھو
ہے اجازت مٹا دیا کرنا

میں تمہیں جیت لوں گا دنیا سے
بس مجھے حوصلہ دیا کرنا

زندگی میں کوئی بھی دکھ آئے
میری جانب بڑھا دیا کرنا

یہاں اچھا برا ہے اور کیا ہے
یہی اک سلسلہ ہے اور کیا ہے

مرا ہونا نہ ہونا اک برابر
جہاں میں بس خدا ہے اور کیا ہے

محبت تو نہیں کہہ سکتے اس کو
وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور کیا ہے

ازل سے تا ابد ملتے لبوں پر
وہی حرفِ دعا ہے اور کیا ہے

بظاہر مذہبی جنگیں ہیں لیکن
معاشی مسئلہ ہے اور کیا ہے

وہ دونوں ہاتھ چہروں پر ہیں رکھے
مقابل آئینہ ہے اور کیا ہے

ظفرؔ اپنی خبر کوئی نہیں ہے
مجھے اتنا پتہ ہے اور کیا ہے

تیز بارش ہے اور سردی ہے
گرم تنہائی، چائے ٹھنڈی ہے

مدتوں جس کا انتظار کیا
اس کو جانے کی کتنی جلدی ہے

آج دیکھا ہے غور سے اس کو
یار وہ عام سی ہی لڑکی ہے

شہر بھر کو رلا دیا جس نے
میرے پہلو میں آ کے روتی ہے

ہاتھ ہلتے ہوئے سٹیشن پر
چند آنسو ہیں ایک گاڑی ہے

آج کل خاندان میں اکثر
میری اور اس کی بات چلتی ہے

بات یہ تو سمجھ نہیں آئی
ظالموں کی دراز رسی ہے

جانے کیا اندیشے دیکھ کے آتے ہیں
لکڑی کے پل ٹوٹے دیکھ کے آتے ہیں

ساری ساری رات ہی جاگا کرتے ہیں
ہم بھی کیا کیا سپنے دیکھ کے آتے ہیں

جن کے بیٹے جنگ سے لوٹ نہیں پاتے
ان ماؤں کے چہرے دیکھ کے آتے ہیں

منزل اپنی قسمت میں کب لکھی ہے
ہم تو خالی رستے دیکھ کے آتے ہیں

پیڑ کی شاخوں سے جو باندھ کے آئے تھے
وعدوں کے وہ دھاگے دیکھ کے آتے ہیں

سنتے ہیں وہ اب بھی خالی ملتے ہیں
بچپن کے وہ جھولے دیکھ کے آتے ہیں

جھیل کے پانی میں ہم جھانکتے ہیں جا کر
اور فلک کو نیچے دیکھ کے آتے ہیں

زیست میں روگ ہیں دیکھ لے اب ذرا
بے وفا لوگ ہیں دیکھ لے اب ذرا

منزلیں راستوں میں ہیں گم اس طرح
یہ ہی سنجوگ ہیں دیکھ لے اب ذرا

جن کو عظمت ملی ان کے دل کے نگر
بس فقط جوگ ہیں دیکھ لے اب ذرا

کامیابی تجھے کہہ رہی ہے یہ آ
چھوڑ جو سوگ ہیں دیکھ لے اب ذرا

سن کے اعوانؔ قصہ ترا غیر سے
دل میں بھی سوگ ہیں دیکھ لے اب ذرا

ہم ہیں تمہارے ساتھ رے ساجن
یہ ہے تو پکی بات رے ساجن

کچے ہیں دھاگے پیار کے جاناں
ہولے ہولے کات رے ساجن

ہم تو راہ کی مٹی ٹھہرے
تیرے ہے اونچی ذات رے ساجن

ہار دوں تم کو اور میں جیتوں
ایسی نہ دینا مات رے ساجن

آج وہ نظریں بول پڑی ہیں
لے آ تو بارات رے ساجن

دیوانوں میں خاموشی ہے
ایوانوں میں خاموشی ہے

اپنے بھی ہیں چپ چپ سارے
انجانوں میں خاموشی ہے

گھر والے بھی چپ ہیں اب تو
مہمانوں میں خاموشی ہے

شاید کچھ ہونے والا ہے
ے خانوں میں خاموشی ہے

ساقی کو بس غم ہے اس کا
پیمانوں میں خاموشی ہے

کرداروں نے چپ ہے تانی
افسانوں میں خاموشی ہے

گونگے ہیں سب روشن منظر
پروانوں میں خاموشی ہے

جذبے سارے ماند پڑے ہیں
ایمانوں میں خاموشی ہے

اعوانؔ اس سے آگے کیا ہو
دیوانوں میں خاموشی ہے

من میت کا مندر ہوتا ہے
قطرے میں سمندر ہوتا ہے

مت ڈھونڈ اسے ویرانے میں
وہ لعل تو اندر ہوتا ہے

جو اپنے آپ میں کھو جائے
وہ شخص قلندر ہوتا ہے

جو بات کرے حسن واحد کی
وہ کتنا سندر ہوتا ہے

تقدیر سے لڑنا سیکھے جو
قسمت کا سکندر ہوتا ہے

اعوانؔ جو سب کی بات سنے
وہ عجز کا پیکر ہوتا ہے

انا

ہاتھ کی لکیروں میں
ڈھونڈتا جو تو مجھ کو
تو میں مل ہی جاتا پھر
دل کی اس ہتھیلی پر
بوند بوند ڈالے جو
دیکھتا مجھے گر تو
تو میں مل ہی جاتا پھر
پر کہاں یہ ممکن تھا
تو انا کا راہی تھا

تو غرور میں جلتا
اور خود ہی کڑھتا تھا
تیرا اور میرا، تو
جوڑ ہی کہاں تھا پھر
نام سے میرے ساتھی
اک چڑ سی، تجھ کو بس
تو یہ سن کہ اب ملنا
ہے محال اپنا تو
مسئلہ انا کا ہے
اور اب محبت سے
ایک خار ہے مجھ کو

❀

چل پڑو اپنے گھر شام پھر ہوگئی
چھوڑ دو اب سفر شام پھر ہوگئی

جس کی چھاؤں میں گزرا ہے دن آج کا
کاٹوں کیوں وہ شجر شام پھر ہوگئی

کیوں تجھے چاہیے روشنی اس گھڑی
بھول جا اب سحر شام پھر ہوگئی

پھر جدائی کا مہتاب ہے عرش پر
اے مرے ہمسفر شام پھر ہوگئی

❀

راہِ الفت میں ساتھ چاہتے ہیں
ہاتھ میں تیرا ہاتھ چاہتے ہیں

فرقتوں میں گزر رہی ہے عمر
وصل کی ایک رات چاہتے ہیں

غیر سے گفتگو بجا لیکن
ہم سے بھی کرلیں بات چاہتے ہیں

کیوں یہ سہمے ہوئے سے ہیں آخر
کیا ہواؤں سے بات چاہتے ہیں

جیتتے رہتے ہیں سدا مگر اب
کھالیں ان سے بھی مات چاہتے ہیں

تری زلفوں کو سر کرتے
یہ مشکل ہے مگر کرتے

یہ خواہش تھی کبھی تو وہ
مری جانب نظر کرتے

ستارے توڑ لاتا میں
محبت تم اگر کرتے

تری گلیوں سے بچتے تو
سوئے منزل سفر کرتے

دلِ اعوانؔ میں رہ کر
ان آنکھوں میں سفر کرتے

مجھے تو مشکل سفر ہے لگتا
کہ راستوں سے بھی ڈر ہے لگتا

ہے نیند اس کی تو جھوٹ ہی اب
یہ میرے غم کا اثر ہے لگتا

لکھا ہے در پر وفا کا قصہ
مجھے تو مجنوں کا گھر ہے لگتا

ہے اس کی باتوں میں چاشنی بھی
وہ شخص پاگل مگر ہے لگتا

ہے چار سو پھیلی چاندنی ہی
یہ چاند کا ہی نگر ہے لگتا

آوارہ سا خیال

آج میں تنہا اور اکیلا
نہ جانے کیوں سوچ رہا ہوں
اس کے دل میں بھی
میری صورت ہے شاید
شاید میں اس کی سوچوں میں
شاید وہ بھی راتوں کو
جاگا کرتا ہے
شاید وہ بھی اشکوں کے کچھ
ہار پروتا

شاید وہ بھی میری راہیں
دیکھ رہا ہے
من ہی من میں
مجھ سے ملنے کی خواہش
کرتا رہتا ہے
پھر انجانے میں ڈر کر وہ
ساری ساری باتیں خود سے کرتا ہوگا
لیکن کاش ایسا ہو
شاید......
ایسا ہو نہیں سکتا

It's Not Fair

یہ مسکراہٹ
یہ اک شرارت
یہ مان تیرا
یہ اعتباری
سبھی ہے چھینا
یہ میں نے تجھ کو
مگر تجھے اب
دیا ہی کیا ہے
فقط محبت

مقدر

دنوں کا تغیر
فضا میں تمنا کے گیتوں کا
گم سا یہ ہونا
زمانہ کے قیدی کی
زندان میں
یہ انا کی صدائیں
یہ چیخیں
یہ ماتم
یہ خواہش کا خوں بھی

یہ فریاد کی گونج گہری
مگر جب کھلا ہے
یہ پنجرہ
تو قیدی پرندہ
تو اڑ ہی نہ پایا
یہ ہائے مقدر

فتح

آج گیا میں جیت
دل کے نگر میں میت

آنکھ میں اک ویرانی سی ہے
اور دل میں حیرانی سی ہے

تنگ جو کرتی رہتی ہے وہ
کوئی شے بیگانی سی ہے

اس کو کیسے سمجھاؤں میں
وہ لڑکی دیوانی سی ہے

Let Us Finish

چلو آج نئے دور کا
آغاز کرتے ہیں
مدھم سی روشنی کر کے
Round Table کے Center میں
اک سرخ گلاب رکھ کر
Background میں
ہلکا سا Music چلا کر
Opposite Sides پر بیٹھ جاتے ہیں
ایک دوسرے کی

آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر
جب میں تجھ میں
اور تم مجھ میں کھو جاؤ
تو پھر ایک کام کرتے ہیں
چلو آج سے ایک دوسرے کو
بھول جاتے ہیں

منزل گر ہو سوچوں میں تو
پھر نہ بھٹکے تو راہوں میں

میدانِ دنیا میں آ پھر
آئے گی طاقت بانہوں میں

بچ جا ان سے، درد بڑا ہے
اس غمگیں دل کی آہوں میں

بھک منگوں سی خصلت آخر
دیکھی ہے میں نے شاہوں میں

تیری یاد

یہ جاڑے کی ہوا میں سوکھے
پتوں کا بکھرنا بھی
ہمالے کی کسی چوٹی سے
میلوں گہری گھائی میں
کبھی گرنے کا خطرہ بھی
یہ مٹتے بھرتے زخموں کو
چھیڑنے دکھانے کا
مزہ جو ہے
یہ اپنے ساتھ لائے ہیں
تری یادیں............

پیاس

پیاسے چہرے
پیاسی آنکھیں
پیاسے دامن
پیاسی باتیں
پیاسی دھرتی
پیاسا ابر
پیاسا صحرا
پیاسا دریا
کرے گا سیراب ان کو

کون اب
بولوسوچو
چاروں طرف ہے
خواہش کااک پردہ لوگو

یہ سچ ہے دل کہ کوئی ہے
کہ جس نے جاں پروئی ہے

مقدر ان کا جاگے کیوں
کہ جن کی دیوی سوئی ہے

وہ ہے پھر ڈھونڈتا رہتا
کہ حرمت جس نے کھوئی ہے

ہے سوجھی شام سے کیونکہ
سحر سے آنکھ روئی ہے

ہے دل میں اور ہی میرے
زباں پر میری کوئی ہے

کانٹوں کی مالا جڑتا ہوں
زخمی خود کو خود کرتا ہوں

ہر اک دن کو جی پڑتا ہوں
ہر ہر شب میں پھر مرتا ہوں

شاید اس کا ہو نام لکھا
ہاتھوں کی باتیں پڑھتا ہوں

اپنے شعروں کے ہونٹوں میں
میں یادوں کا رس بھرتا ہوں

وابستہ ہے مجھ سے سب کچھ
کچھ کہنے سے پر ڈرتا ہوں

بہلاوہ

آج بھی برسی بارش
آج بھی میں نے
اک کا قطرہ گرتے دیکھا
آج بھی بچوں نے
بارش میں اپنا جی بہلایا
اک پنچھی نے شوخ سروں میں
گیت ملن کا گایا
اب تو ساون کا آخر ہے
ہر سو پانی پانی

لیکن میرا دل سوکھا ہے
ساون کی رت بیت گئی پر
وہ نہیں آیا
کیوں نہیں آیا
شاید اس کی نگری سے
یہ ساون رت بھی
روٹھ گئی ہے
یا پھر ساون
یوں برسا ہے
اس کے دل سے
میرا نام بھی کھرچ گیا ہے

تو آ کے مجھ کو حصار کر لے
کہ سوچ پر اب سوار کر لے

کسی کو تو بخش دے محبت
کسی پہ تو اعتبار کر لے

ہاں ہونٹ چھونے دے بس مجھے تو
مجھے تو پھر سنگسار کر لے

میں اب کے بچھڑا نہ پھر ملوں گا
تو ٹوٹ کر مجھ کو پیار کر لے

ترا مقدر حنا کا ساتھی
تو ہاتھ اپنا نگار کر لے

ہو جس میں اعوان نور و نکہت
وہ راستہ اختیار کر لے

پریشان مت ہونا

اک بات کہوں جاناں
کبھی بھی تم پریشان
نہ ہونا
زندگی سے
حالات سے
مایوس نہ ہونا
میں لٹ جاؤں
ویران اور برباد ہو جاؤں
میرا ہر کام

میرے حالات
میرا حال
میرا کل
میری نیندیں
میرے سپنے
میرے یار
میرے اپنے
میری تقدیر
میری زندگی کا حاصل
میرے موتی
شرافت کے
اور نیک نامی کے
اگر بکھر بھی جائیں
تو تم خدارا
پریشان مت ہونا
یونہی مسکرانا

مجھ کو ستانا
چھیڑنا مجھ کو
عجب عجب سے
میرے نام رکھنا
دیوار کی اوٹ سے
چھپ کر پانی پھینکنا تیرا
شرارتیں کرنا
کبھی بھی بھولنا نہ تم
خدارا تم کبھی بھی
پریشان مت ہونا

راہ میں پڑتی دھول کے جیسے
ہم تو بکھرے پھول کے جیسے

ان سے جدا ہم ہو نہیں سکتے
روح میں تھے محلول کے جیسے

شمع کی میرے خون سے روشن
پھر ہمیں بھولے بھول کے جیسے

افسانہ اپنے غم کا چھپایا نہ جائے گا
یہ زخم ایسا ہے جو دکھایا نہ جائے گا

الفت اگر ہے مجھ سے تو رونے نہ دے مجھے
آنکھوں سے تو یہ بوجھ اٹھایا نہ جائے گا

ڈیرے جما لیے ہیں چمن میں خزاؤں نے
خاروں سے دامن اپنا بچایا نہ جائے گا

قواعد سے الفت کے نہیں ہے تو واقف بھی
نہ سوچو کہ ہم کو اب ستایا نہ جائے گا

مجھ میں سکت نہیں رہی اب زخم کھانے کی
اب مجھ سے خود کو اور رلایا نہ جائے گا

اعوانؔ ہوش مند مجھے کہہ رہے ہیں لوگ
پاگل مجھے نظر سے بنایا نہ جائے گا

ڈر

میں تیرے وصل پر جاناں
تیرے ہجر کو ترجیح دیتا ہوں
جب بھی سے ملتا ہوں
اتنا خوش نہیں ہو پاتا
جتنا تم سے مل کر
بچھڑنے کا غم ہوتا ہے
سنا ہے ایسا بزدل کرتے ہیں
زندگی سے غم سے
ڈر جاتے ہیں

اگر ایسا ہی ہے تو پھر
ہاں جاناں
میں بزدل ہوں
اور تھوڑا سا پاگل بھی

میری الفت کا پیمانہ میری صدا
میری آنکھوں میں پوشیدہ اس کی وفا

شمع ہے وہ تو میں مٹ گیا اس پہ پھر
کام اپنا ہے یہ تو زمانے کو کیا

ہیں سبھی مجھ پہ ہنستے مگر آج تو
دیکھ کر دیکھنا مجھ پہ وہ ہنس دیا

ظلمتیں مٹ گئیں آج پھر رات کی
یاں چراغ سحر آج پھر ہے جلا

کیا بتاؤں تمہیں حالتیں دل کی اب
کیا سنو گے کہ کیوں میں ہوں مجنوں بنا

اب تو اعوانؔ ترکِ تعلق کرو
اب نہیں یہ زمانہ کسی کام کا

مجبوری

ہاں جاناں تم
میرے بارے
سچ کہتی تھی
طبیعت اور عادات میں میری
کوئی ٹھہراؤ نہیں
خانہ بدوشوں کی مانند
ایک جگہ پر میں
ٹک نہیں سکتا
روز بدلتا ہوں

مسکن اپنا

ایک ہی راہ پہ بار بار
میں چل نہیں سکتا
تم تو جانتی ہو ناں
ایک خدا کی ذات کے علاوہ
کسی بھی چیز میں
وحدانیت گوارا نہیں ہے مجھ کو
پھر تم ہی کہو ناں
میں ساری عمر
تمہارے ساتھ
کیسے بِتا سکتا تھا
میری مجبوری کو سمجھو
مجھے تو تم کو چھوڑنا ہی تھا ناں......

جو دیکھا اک نظر دیکھا
اسے میں نے مگر دیکھا

سمندر کا سفر دیکھا
ہے دشمن بحر و بر دیکھا

ہے چہروں کی اڑی رنگت
جو جذبہ بے اثر دیکھا

بھٹکتے ہیں یوں گلیوں میں
ہوئی مدت کہ گھر دیکھا

نہ کوئی ہمنوا پایا
نہ کوئی ہمسفر دیکھا

بجھی آنکھیں بجھا چہرہ
کبھی تو نے ظفر دیکھا؟

دو شعر

نہیں ہے جانا آج طول کی جانب
کہ لوٹنا ہے اب اصول کی جانب
فرار ان حالات سے لیے یارو
ہیں چل پڑے سارے حصول کی جانب

پنجابین(Punjabian)

گھنگھرالے بال
تیکھی نظر
معصوم سا چہرہ
کلاس روم میں
سکھیوں کے سنگ
سرگوشیاں
اور پھر بے ساختہ ہنسی
تیری ہر بات کو
بھول بھی جاؤں میں لیکن

بارش کی وہ بوند
جو تیرے گال کو چھوتی
تیرے ہونٹوں تک
پہنچ گئی تھی
میں بھلا نہیں پایا.......

ترا غم جہاں نہ ہوا کرے
وہاں کہکشاں نہ ہوا کرے

مجھے دے دعا مرے عشق میں
ہے جو امتحاں نہ ہوا کرے

یہ بہار ہے مجھے چھیڑتی
کبھی یہ سماں نہ ہوا کرے

کسی سوچ میں مری آنکھ سے
کبھی کچھ عیاں نہ ہوا کرے

اسے جا کے کہہ دے تو اے صبا
کہ وہ بدگماں نہ ہوا کرے

دو شعر

ہجر جیسا وصال رکھتی ہے
میرا ہر پل خیال رکھتی ہے
دھوپ جھلسا نہ دے کہیں مجھ کو
کھول کر اپنے بال رکھتی ہے

مرگ

مری موت کا وقت
آئے تو
تُو تو ماں ہے
تجھے معلوم ہو ہی جائے گا
تیری روح میں ٹیس اٹھے گی
جیسے تیرے بدن کا ٹکرا
تیز دھار کے آلے سے
کوئی الگ کرنے کو آیا
تو ایسا کرنا
میری شہادت کی انگلی کو

چیرا دے کر
میری خوں سے
چھوٹی سی ایک صراحی
بھر لینا تم
اور میرے بعد
سامنے کمرے کی
انگیٹھی پہ
اس کو سجا کے رکھ دینا تم
اور پھر اس میں روزانہ
فجر سے پہلے
سرخ گلاب کی اک پتی
رکھ دیا کرنا
اور کسی دن ایسا کرنا
بھول گئی تو
سمجھنا تیرا بیٹا
مر گیا ہے

مجھ کو پھر ایک شام یاد آیا
وہ جو چھلکا تھا جام یاد آیا

جو خریدا تھا شوق سے تو نے
مجھے وہ اپنا دام یاد آیا

کر گیا تھا جو ڈوبتا سورج
وعدہ وہ ایک شام یاد آیا

ایک پنچھی نگاہ کا اعوانؔ
کب ہوا زیرِ دام یاد آیا

آج دل ان سے ملنے کی پھر آس ہے
زرد سے پھول ہیں رخ پہ اک یاس ہے

ظلمتیں یوں مرے چار سو ہیں مکیں
روشنی اب نا ہم کو یہاں راس ہے

پھول وہ مانگنے کس گھڑی آ گیا
پھول کیا خار بھی اب نہیں پاس ہے

تلخی

تلخی اکثر ہو جاتی ہے
ہم سے ہی انجانے میں
خود سے ہم لڑ پڑتے ہیں
پچھتاتے ہیں
پر بے حاصل
اور سفینے ساحل پر
خالی آتے ہیں
کالے کوے کائیں کائیں
کرتے ہیں

یادوں کے رستے
بھی خالی رہتے ہیں
سناٹوں میں آوازیں
بس جاتی ہیں
گھنگھرو، پائل
گم ہو جاتے ہیں
سارے ساز اجڑ جاتے ہیں

پتہ نہیں کیوں

ہلکی ہلکی بارش
جون کا مہینہ
اور وہ
PCBA-PICS کی لائبریری سے
ملحقہ سیڑھیوں پر
کھڑی نیچے دیکھے
جا رہی تھی
سارے کا سارا کالج
شرارتوں میں

مستیوں میں
رِم جھم رِم جھم
بارش میں
ہلکا ہلکا بھیگ کر
گرمیوں کے موسم سے
ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا
اور وہ
PCBA-PICS کی لائبریری سے
ملحقہ سیڑھیوں پر
کھڑی نیچے دیکھے
جا رہی تھی

محبت کا حق اب ادا تو کریں گے
جفا پر ہم ان کی وفا تو کریں گے

جو دیکھیں گے ان کو تو ہنس دیں گے ہم بھی
وہ ہم سے ذرا سی حیا تو کریں گے

وہ ہم سے محبت نہیں کرتے لیکن
یہ سانسیں ہم ان پر فدا تو کریں گے

وفاؤں کی محفل میں آ کے ہیں بیٹھے
جفاؤں کے قصے سنا تو کریں گے

محبت میں اک رسم یہ بھی ہے یارو
وہ روٹھے سے ہم سے رہا تو کریں گے

بٹھائیں گے اعوانؔ ساحل پہ لا کر
یہ کوشش مرے ناخدا تو کریں گے

اب آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
کہ لٹنے لٹانے کو جی چاہتا ہے

ہیں آنکھیں یہ تیری کہ گہرا سمندر
مرا ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

ملا ہوں میں جس دن سے اس دن سے میرا
نظر بھی ملانے کو جی چاہتا ہے

وہ دل میں ہمارے بسا ہے کچھ ایسے
کہ خود میں سمانے کو جی چاہتا ہے

کوئی تو ہمارا بھی ہو سننے والا
سبھی کچھ بتانے کو جی چاہتا ہے

ہیں ہمدرد جتنے بھی میرے جہاں میں
انہیں آزمانے کو جی چاہتا ہے

ہمیں پاس لائے جو اک دوسرے کے
وہ رہبر بنانے کو جی چاہتا ہے

نجانے ہے کب سے مری تو یہ حالت
کہ خود کو ستانے کو جی چاہتا ہے

فراموش اعوانؔ جب سے ہوئے وہ
یہ سانسیں لٹانے کو جی چاہتا ہے

بندش

کہا تھا
یہ جاتے ہوئے
اس نے مجھ سے
میں بھولوں گی تم کو
کبھی بھی نہیں جاں
تمہیں روز خط اک
کروں گی میں ارسال
وعدہ ہے میرا
کروں گی کبھی فون

بھی تم کو جاناں
اسے اب گئے اک
زمانہ ہوا ہے
مجھے خط بھی ملتے
ہیں اکثر
مجھے فون بھی کرتی ہے وہ
مگر اب کہیں کچھ بدل سی گئی ہے
یہ تحریر اس کی، یہ آواز اس کی
عجب بندشوں میں جکڑ سی گئی ہے
یوں لگتا ہے اپنے ہی وعدوں
پہ خود آپ پچھتا رہی ہے
وہ ظالم!

یہی سچائی مرے ساتھ ہے اب
کہ وہ ہرجائی مرے ساتھ ہے اب

ملن کی شب تو آخر کٹ گئی ہے
مگر انگڑائی مرے ساتھ ہے اب

ہجومِ دوستاں رخصت ہوا ہے
مری تنہائی مرے ساتھ ہے اب

مرے آنگن میں تری یاد اتری
تری رعنائی مرے ساتھ ہے اب

تری گلیوں سے کچھ رغبت نہیں ہے
مری رسوائی مرے ساتھ ہے اب

ڈھال

یہ چاہا تھا
بھولوں میں تجھ کو
ترے خط جلا دوں
میں سارے
وہ تحفے سڑک پر
ہی پھینکوں
دیئے تھے جو تو نے
تیری یاد کو دفن کر دوں
مگر میں تو ناکام

سا ہی رہا ہوں
کہ لمحے جو میں نے
ترے ساتھ
اک ڈھال بن کر گزارے
وہ یاد آ رہے ہیں

مچلتے ہوئے دل کو تڑپا گیا ہے
کہ رستے سے مجھ کو وہ بہکا گیا ہے

جو بادل میں چھپتے ہوئے اس کو دیکھا
لگا مجھ کو جیسے وہ شرما گیا ہے

ہے دوری میں بھی ایک گہرا تعلق
بچھڑ کر وہ یہ بات سمجھا گیا ہے

ہوا دور سے جس دن سے ہمدم
مقدر میں تاریکی لکھوا گیا ہے

کہاں جاؤں میں چھوڑ کر اپنی دنیا
یہ دل میرا اعوانؔ اکتا گیا ہے

ہزار میں حسین ترا شباب ہے
کروں جو عشق تجھ سے تو عذاب ہے

ہر اک ادا تری نہ مجھ کو مار دے
یہ حسن بھی ترا تو بے حساب ہے

یہ روٹھنا ترا بھی اک ادا ہے جاں
یہ مسکرانا بھی تو لاجواب ہے

ہے بوتلوں سے میکدہ بھرا پڑا
نہ تم سی اب یہاں کوئی شراب ہے

ہمارا چاند تو زمیں کا ہے مکیں
سنا ہے عرش پہ بھی ماہتاب ہے

نگر دل کا جلاؤں گا
تجھے جب چھوڑ جاؤں گا

سبھی دشمن ہیں تیرے دل
تجھے کیسے بچاؤں گا

جو پھولوں سے یہ دل روٹھا
تو کانٹوں میں لگاؤں گا

ہے بیزاری تو شہروں سے
میں جنگل آزماؤں گا

نہ سمجھا وہ تو میں دل کی
نہ حالت اب سناؤں گا

میں جاؤں گا جو خلوت میں
تو باتیں بھول جاؤں گا

وہ جب اعوانؔ پوچھے گا
محبت میں چھپاؤں گا

ترے بن جئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے
گریباں سئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے

رہے گا یوں ہی میکدہ میرے دل کا
ترے بن پئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے

جو محشر میں قصہ سنائیں گے تیرا
زباں پھر سئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے

تو آنے کا کہہ کے نہیں آیا جاناں
کہ اب تو جئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے

بہت غم چھپایا ترا ہم نے ہنس کر
یہ آنسو پئیں گے نہیں ہم یہ سچ ہے

بکھرے ہیں گیسوئے یار کل کی طرح
آ رہا ہے ہمیں پیار کل کی طرح

آ رہی ہے گلوں سے تو خوشبو وہی
گرچہ حائل ہے دیوار کل کی طرح

بات ہے کچھ کہ ہم چپ رہے آج بھی
پر نہ تھے ہم تو لاچار کل کی طرح

گرچہ دریا بہت تیز تھا دوستو
ہم گئے آج بھی پار کل کی طرح

آپ پہنا گئے تھے مجھے جو کل
ہیں گلے میں وہی ہار کل کی طرح

دیکھ اعوانؔ کیسی خزاں آئی ہے
ہیں بیابان گلزار کل کی طرح

گہری آنکھیں یاد آتی ہیں
تیری باتیں یاد آتی ہیں

فرقت جن میں پوشیدہ تھی
وہ سب راتیں یاد آتی ہیں

دھوپ میں جلتا ہوں میں جب بھی
تری سانسیں یاد آتی ہیں

اب بھی اکثر مدہوشی میں
بہکی شامیں یاد آتی ہیں

جب بھی باغ میں جاتے ہیں ہم
پھول سی بانہیں یاد آتی ہیں

مے خانے سے جب بھی گزرو
بھٹکی راہیں یاد آتی ہیں

جو اعوانؔ ملی تھیں مجھ کو
وہ سوغاتیں یاد آتی ہیں

تلاش

میں انجانے رستوں
پر نکلا ہوں
اک کھوج لگی ہے
میرے من کی
شاید کوئی مجھ کو
مل جائے
جو مجھ کو اپنا سمجھے
مجھ سے جو یہ کہہ دے
"میرا تم بن جینا مشکل

تم میری سانسوں کی خوشبو ہو
تم میری جاں ہو جاناں
یاں، ہم کو چھوڑ نہ جانا
جو تم روٹھے تو
سب جذبے مر جائیں گے
ہم بھی کیسے جی پائیں گے
رک جاؤ تم، بس رک جاؤ"
لیکن یہ سب ناممکن ہے
سوچوں کا پرتو ہے
سچائی تو مجھ کو بھی سمجھاتی ہے
لیکن پھر بھی
اک کھوج لگی ہے

وقت کی گزری بات ہوئی تھی
اور بڑی برسات ہوئی تھی

یاد میں تیری چلتے چلتے
درد میں ڈوبی رات ہوئی تھی

عہدِ جوانی اور تھی پت جھڑ
کیا کچھ گل کے ساتھ ہوئی تھی

زلف تری کا ذکر ہوا جب
پل میں اندھیری رات ہوئی تھی

اس کی باتیں کرتے رہے ہم
اپنی کہاں پھر بات ہوئی تھی

ہم تو یہ بازی جیت کے ہارے
اور عجب سی مات ہوئی تھی

دیس میں اے اعوانؔ غموں کے
ایک ہنسی سوغات ہوئی تھی

یہ ہلکی ہلکی شرارتیں ہیں
یہ میٹھی میٹھی سی چاہتیں ہیں

وہ ٹوٹ کر ہم کو چاہتے ہیں
یہ ان کی ہم پر عنایتیں ہیں

یوں سادگی سے ذرا سا ہنسا
یہ اس کی بھولی سی عادتیں ہیں

کہ نام پر ان کے جان دے دیں
بس اتنی اپنی سخاوتیں ہیں

جو ہے محبت یقیں سے خالی
ضرور کچھ تو قباحتیں ہیں

وہ بات دل کی بھی جانتے ہیں
کہ جن کی اعلیٰ سماعتیں ہیں

خیال پھیکے تو لفظ جامد
یہ کیسی تیری وضاحتیں ہیں

ہیں خونِ دل سے لکھی ہوئیں سب
وفا کی جتنی حکایتیں ہیں

بھٹکے لوگوں کو راہ دینا
یہ جگنوؤں کی ہی راحتیں ہیں

خواب نگر کے پار گئے ہیں
آج مگر وہ ہار گئے ہیں

لوگ تھے جتنے صاحب ثروت
سب کے سب لاچار گئے ہیں

اب ہیں بھٹکتے خار نگر میں
چھوڑ کے جو گھر بار گئے ہیں

جو تھے مکیں میری آنکھوں میں
کر کے قول قرار گئے ہیں

دام ان کے اعوانؔ لگیں گے
لفظ سرِ بازار گئے ہیں

نگاہوں سے لہو سا پھر بہایا
غمِ دل نے ہمیں مجنوں بنایا

تری آنکھیں سے ساقی ہم نے پی لی
سکوں ہم کو اسی نے اب دلایا

بڑے عرصے کے بعد اس بے وفا نے
محبت کا کوئی قصہ سنایا

کہاں تھے ہم یوں دیوانے سے پہلے
جنوں نے یہ تغافل ہے سکھایا

بڑی فرصت میں سوچا تیرے بارے
تری یادوں کو دل میں پھر بسایا

نشہ ہے تیری نظر میں جاناں شراب کو اب تلاش کر لیں
کہ پی جو ہم نے تمام راتیں، حساب کو اب تلاش کر لیں

کھلے ہیں تازہ گلاب یارو کہ بج رہے ہیں رباب یارو
چمن کو جائیں تو جا کے واں پر شباب کو اب تلاش کر لیں

ملا نہیں ہے وہ بستیوں میں کسی بھی رنگت میں ہستیوں میں
کسی بھی لمحے ملے جو وہ حجاب کو اب تلاش کر لیں

سنا ہے ظلمت چھپا ہے لیتی، ہر ایک دکھ کو بچا ہے لیتی
نہیں ہیں پاگل کہ ہم کسی آفتاب کو اب تلاش کر لیں

تھا حسن کا اک جمال بھی کچھ، کیے تھے میں نے سوال بھی کچھ
یہ سوچتے ہیں کہ کس سے، ایسے جواب کو اب تلاش کر لیں

کبھی کبھی ہم یہ سوچتے ہیں
خموش چہرے بھی بولتے ہیں

یہ روز و شب جو گزر گئے ہیں
وہ دل کے رازوں کو کھولتے ہیں

دلوں میں شعلوں کے جو ہیں دریا
وہ بہتے آنسو ہی روکتے ہیں

کیسے دیں الزام ہم کسی کو
وفا میں خود کو بھی تولتے ہیں

اگرچہ گنوائی ہے اک عید میں نے
مگر پھر سجائی ہے اک عید میں نے

میسر نہیں ہیں بہاریں تو کیا ہے
گلوں میں بسائی ہے اک عید میں نے

کہ برباد کی ہیں مری عیدیں جس نے
اسی کو سنائی ہے اک عید میں نے

سحر اک نئی سی ہوئی ہے وہاں پر
کہ جب بھی جلائی ہے اک عید میں نے

خوشی میں تو گزریں ہزاروں ہیں عیدیں
غموں میں منائی ہے اک عید میں نے

خوش فہمی

مری راہ پر
اس کے ہاتھوں سے
اک پھول شاید یونہی
گرا تھا
اور میں پاگل
اسی پھول کو اک
صراحی میں رکھ کر
کئی روز تک
اس کا پانی
بدلتا رہا تھا

یوں ہی تو رُت نہیں ہے گئی اب بدل
ہے ملاقات ان سے مری آج کل

آج جذبات قابو سے باہر ہوئے
سوچ لوں اس کو تو روح جائے مچل

بے قراری بہت رہتی ہے اس میں تو
ہے گراں جان پر عشق کا ہر عمل

اس کو اک بار جو دیکھ لوں تو مرے
دل نگر سے نکل آئے تازہ غزل

تجھ کو برباد کر دیں گی یہ دیکھ لے
دل کی باتوں میں اعوانؔ مت آ، سنبھل

بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے مجھ کو
تجھے دل سے بھلا دینے سے پہلے

مری منزل ہی میری جستجو ہے
نہ بھٹکا راستہ دینے سے پہلے

تمہارے نام کر دی زندگانی
ذرا سوچو سزا دینے سے پہلے

بھر آئی ہیں ہزاروں بار آنکھیں
دیا دل کا بجھا دینے سے پہلے

ستانے کی نہ دل میں ٹھان لینا
کسی کو آسرا دینے سے پہلے

دریچے ذہن و دل کے کھول دینا
چراغوں کو بجھا دینے سے پہلے

ذرا اعوانؔ خود پر غور کرنا
مجھے تم بددعا دینے سے پہلے

اگر تم سے وفا پانا کٹھن ایسا نہیں ہوتا
اکیلا راستوں پہ میں مگن ایسا نہیں ہوتا

مہینوں سال گزرے ہیں برے احوال گزرے
ہیں
کئی دن بعد میں اک خط جتن ایسا نہیں ہوتا

وطن سے چاہ کا دعویٰ وطن سے دور بھی رہنا

وطن کی بات کرتے ہو وطن ایسا نہیں ہوتا

بہاروں کا خزاؤں سے بہت مضبوط رشتہ ہے
مگر بس پھول کی چاہت چمن ایسا نہیں ہوتا

سنا ہے اب لکھاری سے خریدی بات جاتی ہے
کرائے کے مکانوں سا سخن ایسا نہیں ہوتا

اور تم میرے نہیں

چاندنی راتیں ہیں
تاروں کی باتیں ہیں
یادوں کی برساتیں ہیں
اور تم میرے نہیں

آہ نکلتی رہی
سانس چلتی رہی
راہ بدلتی رہی
اپنے کوئی ڈھیرے نہیں

نہ رہی چاشنی
جذبے تھے آہنی
اب کہاں روشنی
قسمت میں سویرے نہیں

زندگی روگ ہے
غم کا سنجوگ ہے
بس یہی سوگ ہے
خوشیوں کے گھیرے نہیں

چاہت پہ وہ باتیں اعلیٰ کرتی تھی
تھی اک لڑکی سپنے پالا کرتی تھی

باتوں باتوں پہ وہ اکثر ہنستی تھی
ویراں لمحوں کو وہ ٹالا کرتی تھی

مانگا کرتی تھی وہ بو کر عطروں سے
سوکھے پھولوں کی وہ مالا کرتی تھی

چاہے کوئی کچھ بھی کہتا رہتا ہو
وہ تو اپنا دل نہ کالا کرتی تھی

اعوانؔ میرے دل کی دھڑکن رکتی تھی
جب بھی مجھ پر نظریں ڈالا کرتی تھی

دل مرے کو نہیں اب تری آرزو
مر چکی ہے مری بے تکی جستجو

سوچنا ہے مجھے اب نہیں روٹھنا
چھوڑنا ہے تجھے اب ترے روبرو

بن سکے نہ کبھی تم مرے ہمنوا
نفرتوں سے بھرے ہو مگر خوبرو

جیتنا ہے ابھی غربتوں سے مجھے
ہوگئیں دولتیں لازمی چار سو

مفلسی میں کبھی نہ کسی کو ملی
مانگنا ہے خدا سے ظفرؔ آبرو

جو تری بے دلی ہے
وہ مجھے کھا گئی ہے

ہم سفر ہو مرے تم
یہ مری سادگی ہے

یاوری گر کرو تم
پھر کہاں بے بسی ہے

خوبصورت سہی تم
پر مگر ظاہری ہے

دیکھنا بھی ظفر کو
بس ترا واجبی ہے

کمال میرا یہی رہا ہے
سنا ہمیشہ نہیں کہا ہے

مرا محبت سے واسطہ ہے
مجھے کسی سے نہیں گلہ ہے

جفا تری سب جلا گئی ہے
رقیب سے کب یہ دل جلا ہے

تلاش کرنا نہیں تجھے اب
بچھڑ گیا جو نہیں ملا ہے

نہیں ظفر میں دکھی زیادہ
ملا مجھے غم سے حوصلہ ہے

ساجن تم کو آنا ہے
سورج شب میں لانا ہے

جگنو رہبر کرنا ہے
منزل پر بھی جانا ہے

تم ہی دل کے محرم ہو
مرشد تم کو مانا ہے

غزلیں تم نے کہنی ہیں
گانا مجھ کو گانا ہے

سب کو اپنا کہتے ہو
دھوکہ تو پھر کھانا ہے

دو شعر

آنکھوں کی زباں ہوتی ہے
بانہوں میں اماں ہوتی ہے

ہوتا ہے خدا بھی وہیں پر
خلقِ خدا جہاں ہوتی ہے

دوشعر

بیچ سفر میں چھوڑ گیا وہ
خواب سہانے توڑ گیا وہ
یہ بھی تو احسان ہے اس کا
مجھ کو مجھ سے جوڑ گیا وہ

محبت مر نہیں سکتی

آئی سی یو کی
وارڈ میں
اس کی موت سے
چند لمحات پہلے
جب یونہی
راہ رسم
عیادت کو گیا تھا
وہ میرا ہاتھ تھامے
مجھ کو دیکھے جا رہی تھی

آنکھوں میں اس کی
اک عجب سی روشنی تھی
کہ جیسے کوئی جنگجو
پورے رن میں
اکیلا ہی بچا ہو
ہونٹوں پہ ایسی
مسکراہٹ تھی کہ جیسے
بھولا بھٹکا مسافر
منزلوں کی
روشنی تک لے
اور پھر یوں ہوا کہ
اگلے ہی لمحے
سانسیں تھم گئیں اس کی
ازل سے ابد کا راہی
مسافر ہو لیا پھر سے
اس کی کھلی آنکھوں نے

میرے ضبط کو توڑا
وہ آنکھیں بند کرنے کو
چھڑانا ہاتھ جب چاہا
دیکھا ہاتھ میں میرے
کاغذ کا اک
چھوٹا سا پرزہ تھا
ٹیڑھی ترچھی لکیروں میں
تحریر کچھ یوں تھا کہ
میں ناں کہتی تھی، محبت مر نہیں سکتی......

ملاں جی کے نام

ہم ترے خطبے کو نہیں سنتے
ہم کہاں جی حضوری کرتے ہیں
اپنی موجوں میں رہتے ہیں صاحب
کام ہم بس ضروری کرتے ہیں

❀

ترے بن دم نہیں مانگا
سنو یہ غم نہیں مانگا

خدا سے مانگتا ہوں چپ
کبھی بھی کم نہیں مانگا

دکھوں کو پالتا ہوں میں
کبھی مرہم نہیں مانگا

عطا ہونے لگا جس پل
رہے برہم نہیں مانگا

سوالی ہوں ترا چاہے؟
کہو ظالم نہیں مانگا

ظفر کی بن گئے ہو ضد
ارادے خم نہیں مانگا

تیری یادوں کو سنبھالے رکھا ہے
میں نے اب تک سانپ پالے رکھا ہے

آہ بھی تو اک ہنسی کا روپ ہے
مسکراہٹ کو بھی ٹالے رکھا ہے

دودھ کی نہریں نکالیں میں نے کب
جب سے تو نے مے کو تالے رکھا ہے

اب تو مجھ پر آسماں بھی تنگ ہے
غم کا خود کو طوق ڈالے رکھا ہے

تیری آسانی کو خنجر جیب میں
آ جا قاتل آزما لے رکھا ہے

ساتھ تیرے چائے کے دو پل نہیں
عمر بھر پانی ابالے رکھا ہے

اب ظفر کی ہے حرم سے روستی
گھر کو تیرے جو حوالے رکھا ہے

تم سے مل کر مجھے خوشی ہوتی
تیرگی میں بھی روشنی ہوتی

تم مجھے دیکھتے نگاہوں سے
مجھ پہ حیران بے بسی ہوتی

ہم سمجھ جاتے جو کہانی ہے
تم نے اک بات تو کہی ہوتی

راستے ساتھ ساتھ کٹ جاتے
منزلوں پر نہ یوں کمی ہوتی

تو جو ہوتا سخن شناس ظفرؔ
تیرے لہجے میں چاشنی ہوتی

یوں حال میرا بے حال ہوا
ہر سر اپنا بے تال ہوا

منہ قاتل نے بھی پھیرا ہے
جینا بھی سخت محال ہوا

مری حالت پہ وہ رویا کیوں
میرا جس پہ خون حلال ہوا

مجھے دیکھ کے راہ نہیں بدلی
آج یہ بھی خوب کمال ہوا

چلو ہم پھر سے سفر کرتے ہیں
کہ منزل پہ نظر کرتے ہیں

دل میں چاہت ہے جو پھولوں کی تو پھر
کسی بستی میں سفر کرتے ہیں

جس نے بسنے نہ دیا آنکھوں میں
دل میں اُس شخص کے گھر کرتے ہیں

ایسے نالے ہیں تیرے پاس اعوانؔ
میرے دل پہ جو اثر کرتے ہیں

متفرقات

اندھیروں میں اجالا ڈھونڈتے ہیں
نشے میں ہیں سنبھالا ڈھونڈتے ہیں

☆

زلف بکھری تو یہ کھلا مجھ پر
کیوں مقدر میرا خراب کیا

☆

ترے اور میرے خیالات الگ ہیں
سوالوں کے جیسے جوابات الگ ہیں

☆

اس لیے مرنے سے جی ڈرتا ہے مفلس کا حضور
دفن کرنے میں بھی اخراجات ہوتے ہیں بہت

☆

ظلمتوں سے نکل نہ پائے ہم
آرزوئے سحر رہی دل میں

☆

میری نظمیں میری غزلیں تیرے نام ہوئی ہیں جاناں
میری سب تحریروں سے اب تیری خوشبو آتی ہے

☆

اک تیری تصور بنا کر رنگوں کے غم سمیٹے ہیں
شہ پاروں کے خالق اکثر بے رنگ ہی میں نے دیکھے ہیں

☆

باتوں باتوں میں وہ باتیں دل کی کہتی تھی
پاگل تھی وہ اکثر سپنوں میں ہی رہتی تھی

☆

دل کی بستی اجڑی تھی جب ہم نے بھی کچھ نہ سوچا تھا
رب کی مرضی مانا جس کو یاروں سے پایا دھوکا تھا



وصل کی رات مجھے اب تو سفر کرنا ہے
مجھ کو جانا ہے ابھی جا کے کہیں مرنا ہے

اس لیے پار سمندر کے میں آیا ہوا ہوں
زخم غربت ہے مرا جس کو مجھے بھرنا ہے

ایسے رستے ہیں مرے سامنے ، دیکھے ہی نہیں
انہیں رستوں میں کہیں پیار کا بھی جھرنا ہے

جس کے ہاتھوں میں ہے تلوار فقط میرے لیے
اس کے قدموں میں کوئی پھول مجھے دھرنا ہے